

علمی امن و انصاف: اسلامی تناظر میں

ڈاکٹر انیس احمد

امن و انصاف کا حصول انسان کا ایک بنیادی مسئلہ ہے اور تمام مذاہب نے اس کی اہمیت اور مرکزیت کے پیش نظر اسے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے تو سیکولر مفکرین کے نزدیک بھی یہ اتنا ہی اہم ہے اگرچہ اس کے بنیادی تینیلات اور پس پر وہ جذبہ مکمل طور پر کتنا ہی مختلف کیوں نہ ہو۔

سرمایہ دارانہ ذہنیت کے زیر اثر جو میشت کے استحکام، انفرادیت اور ہر دم بدلتی ہوئی اخلاقیات کا مجموعہ ہے، ایک نئی سوچ اور فکر یہ پیدا ہو گئی ہے کہ ترقی یا فتح ممالک اپنے طویل المیاد سمائی اور معاشی فوائد جنگ کے ذریعے حاصل نہیں کر سکتے۔

عدم شدداً اور عدم جارحیت کا فلسفہ جو پہلے چند افراد یا مذاہب کی ذاتی فکر کا مظہر سمجھا جاتا تھا، وقت گزرنے کے ساتھ علمی سیاسی حکمت عملی کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فوج اور جنگوں کے ذریعے خام مال پر قبضہ اور نئی معاشی منڈیوں کی تلاش کی سرمایہ دارانہ حکمت عملی کی جگہ یہ سوچا جانے لگا ہے کہ امن کے نام پر عدم جارحیت کے زیر عنوان اور آزاد تجارت کا نعرہ پلنڈ کر کے بھی سرمایہ دارانہ قوتیں وہی کچھ حاصل کر سکتی ہیں جس کے لیے پہلے طویل اور خوب ریز جنگیں لڑی جاتی تھیں۔

علمی جنگوں کے دور کے بعد میں الاقوامی سطح پر ترقی پذیر ممالک پر قابو پانے اور انہیں

اپنا ماتحت بنانے کے لیے تجارت، سیاحت اور جمہوریت کو قابل عمل طریقہ اور بنیاد سمجھا گیا۔ امن کی تلاش کے اس دور میں جنگی تصادم سے بچنے کی کوششیں اس لیے بھی کی گئیں کیوں کہ جنگ کو تجارت اور سیاحت کا دشمن خیال کیا جاتا ہے۔

مرد جنگ کے زمانے میں علاقائی معیشت، نیوکلیئر صلاحیت اور باہمی تعاون کی راہیں کھلیں۔ گوصرف فکری طور پر ہی سہی، اس سلسلے میں اقوام متحده کا قیام عدم جارحیت کے فلسفے کا عالمی سطح پر ظہور تھا۔ اس ادارے کی کامیابی اور ناکامی سے قطع نظر اس کے قیام کا بڑا مقدمہ مسائل کا پر امن حل تلاش کرنا تھا۔ اس لیے امن کا قیام و انصرام اس سیکولر ادارے اور اس کے رکن ممالک کا جزو ایمان بن گیا۔

دیگر اقوام کو یورپ کے سامراجی اور نوآبادیاتی تسلط اور چیرہ دستیوں سے آزاد کرنے والی جمہوری جدوجہد ایک حصے تک نہ صرف پرمختریک اور تشدد سے آزاد مزاحمتی تحریک بھی جاتی رہی، بلکہ دیگر تحریکات کو بھی اس کا حصہ تصور کیا جاتا رہا، مثلاً مساوات مردوں زن کی تحریک۔ مغرب میں یہ تحریک عورتوں کے مساوی حقوق کی علم بردار بن کر اٹھی، جب کہ عورتوں کی معاشرے میں انصاف پسندانہ اور شفاف شراکت کا رکاوہ اہمیت نہیں دی گئی۔ بہر صورت یہ ایک پرمختریک ہی رہی۔ لیکن سیاسی منظر نامے پر موجود معاشرے میں جمہوریت کے نفاذ کی تحریکیں کبھی تو پر امن رہیں اور بعض اوقات تشدد پسند۔ تاہم علمی امن اور مسائل کے غیر فوجی حل پر مشتمل تحریکیں اپنے تمام تر سیکولر کردار کے باوجود ایک اچھے انسانی معاشرے کے قیام کا دعویٰ اور اس کے لیے سرگرمی اختیار کرتی رہیں۔ ایسی قوت سے پاک دنیا کی تحریک بھالی امن اور سیکولر معاشرے کے قیام کی داعی رہی۔

دوسری طرف ان لوگوں کو انتہا پسندی، بنیاد پرستی، تشدد، دہشت گردی اور خون خرابی شروع کرنے کا الزام دیا جاتا تھا جن کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔ گوئی عشروں تک شامل آئرلینڈ کے کیتوںکوک اور پروٹسٹنٹ عیسائی فرقوں کو مذہبی تشدد، بنیاد پرستی اور انتہا پسندی کا الزام دیا جاتا تھا، تاہم اگر حقیقت کا جائزہ لیا جائے تو نہ کیتوںکوک اور نہ پروٹسٹنٹ فرقہ ہی اس قسم کے خون خرابی کی اجازت دیتا ہے نہ کروشیا اور سرپیا کے لوگوں کی بوسنیا کے مسلمانوں کے خلاف

وہ شست گردوی ہی صحیح نہ ہی عیسائیت کا انہصار کہی جا سکتی ہے۔ اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ باضیز دیانت دار اور صحیح العقیدہ یہودی بھی صہیونیوں کے فلسطینی مسلمانوں اور عیسائیوں کے خلاف کھلے تشدد اور بیگن انسانیت اقدامات کی حمایت نہیں کرتے۔ بہت سے اسرائیلی پالٹنوں کے فلسطین کے مختلف ملکوں پر بمباری کرنے کے انکار سے واضح ہوتا ہے کہ تمام یہودی فلسطین میں ہونے والی صہیونی دہشت گردی میں شریک نہیں، یعنی چاہے مجرماً انہیں ایسے اقدام کرنے پڑتے ہوں۔ اس مختصر جائزے سے ظاہر ہوتا ہے کہ امن ہر انسان کی مشترک خواہش ہے چاہے وہ دین دار ہو یا سکولر۔ مزید یہ کہ مذہب کے نام پر تشدد کسی بھی معاشرے میں پسند نہیں کیا جاتا۔

عام طور پر امن اور بھائی امن کے اقدامات مسائل کے پر امن حل، اجتماعی دفاع کی سوچ، بچاؤ کی مختلف مذاہیر، تخفیف السلح جیسے موضوعات آج کی دنیا کے عملی مسائل میں اور عموماً یہ مسائل اور جھگڑے چاہے سیاسی ہوں یا معاشی، ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ان کا حل طاقت وقت سے ہو گا یا گفت و شنید سے۔ اس لیے بھائی امن کے اقدامات پر گفت و شنید کے لیے ایسے فورم (forum) ضروری ہیں جہاں ان مسائل پر معروضی طور پر غور اور تبادلہ خیالات کیا جاسکے۔

اجتماعی دفاع کی سوچ باہمی اور کثیر جگہ تلقنات کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور علاقائی یا علمی امن پر فتح ہوتی ہے۔ تخفیف السلح کا مطلب اسلحے کے عدم توازن کو ختم کرنے کی کوششیں، ائمی اسلحے پر موثر کنڑوں اور ائمی فضلہ جات کو صحیح طور پر ٹھکانے لگانا اور شعوری طور پر اسلحے کی دوڑ میں حصہ نہ لینے جیسے اقدامات کرنا ہیں۔ امن کے لیے اقوام متحده جیسے اداروں کو بلا واسطہ شریک کرنا، بچاؤ کی محنت عملی اور مذاہیر کا اہم جزو ہو سکتا ہے۔ اگرچہ امریکی سامراج کی سیک قطبی دنیا اور اس کے غیر قانونی طور پر عراق پر حملے اور قبضہ کرنے کے اقدامات نے صرف اقوام متحده اور اس جیسے اداروں کی بے بسی کو واضح کر دیا ہے بلکہ ان کی موت پر ہم تقدیق بھی ثبت کر دی ہے۔ لیکن ہم اس سے مایوس نہیں ہیں بلکہ اس سے ہمارے اس خیال کو تقویت پچھی ہے کہ دانش و رہنمائی قائدین اور وہ تمام لوگ جو کسی بھی سلطنت پر پالیسی کی منصوبہ بندی سے وابستہ ہیں، اجتماعی طور پر موجودہ میں الاقوامی معاشی سماجی اور سیاسی مسائل پر ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں اور ایک نئی دنیا تعمیر کرنے میں اپنا حصہ ادا کر سکتے ہیں، ایسی دنیا جس کی بنیاد گفت و شنید دلیل و برهان

بایہی تعلق اور عدم تشدد کی سوچ پر ہو۔

علمی امن کے حصول میں موجودہ مذاہب کا کیا کردار ہے، اور خاص طور پر اسلام کا اس بارے میں کیا نقطہ نظر ہے؟ یہ سوال ہمیں غیر جذب انتیت اور خالص دلیل و بہان کی بنیاد پر قرآن و سنت کی رہنمائی میں حل تلاش کرنے کی دعوت تحقیق دیتا ہے۔

لغوی طور پر اسلام کا مادہ س ل م ہے جس کے معنی امن، سکون، بندگی رب اور اللہ کی بڑائی کے سامنے سرتسلیم خم کر دینا۔ ہے۔ اگر عملی حقیقت یہی ہے تو نام نہاد ”قدس جنگ“ اور ”اسلامی جہاد“ کا عالمی شور و غوغائی کیوں؟ اس شور و غوغائی میں اور اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے میں عالمی ابلاغ عامہ بالخصوص الیکٹرائیک میڈیا، مستشرقین اور آزاد خیال لوگوں کی ان تحریروں کا بڑا کردار ہے جن میں اسلام کی مسخ شدہ تصویر پیش کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر جودھٹھہ میلر (Judith Miller) کی کتاب ”خدا کے ننانوے نام“ پیش کی جاسکتی ہے جو اپنے منصب اور ذمہ داری کے لحاظ سے نیویارک نائمز کی مشرق و سطی کے امور پر ماہر اور نامہ نگار ہے لیکن اسے کبھی خود مشرق و سطی کے کسی ملک میں معمول عرصے تک رہنے اور مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملا، اور نہ وہ عربی کی ابجد سے ہی واقفیت رکھتی ہے لیکن پھر بھی اسلام کے بارے میں سند سمجھی جاتی ہے۔ ائیڈورڈ سعید (Edwards Saeed) اس کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان ”ماہرین“ (ملر، سیموئیل، ہن ٹنٹن، مارش کرامر، برناڑیوس، ڈیمیل پائپز، سٹیفن ایمرسن اور باری زین، اس کے علاوہ اسرائیلی مصنفوں) کے لکھنے کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسلام کو ”خطرے“ کے طور پر پیش کیا جائے، اسلام کو دہشت اور تشدد کا علم بردار تاثیت کیا جائے اور دوسری طرف ذاتی تشبیہ، میڈیا میں اشور و سورخ پیدا کرنے کے ساتھ اپنی جیسیں بھی بھری جائیں۔ اسی طرح کی ایک اور مثال اسٹیفن شوارتز (Stephen Schwartz) کی کتاب ”اسلام کے دو چہرے: آل سعود روایت سے دہشت تک“ ہے جو ایلے ”شیاطین“، کو تلاش کرنے کی ایک ناکام کوشش ہے جن کا وجود شاید مصنف کے ذہن کے علاوہ اور کہیں نہیں پایا جاتا۔

اسلام کی اس تصویر کشی کی ایک کھلی وجہ ”جہاد“، کو غیر مسلموں اور ان کی تہذیب کے ذمہن کے طور پر پیش کرنا ہے۔ انتہر کے ہولناک واقعات نے مسلمانوں اور جہاد کے متعلق صدیوں

سے مروجہ غلط فہمی پر مہر قدمیق ثبت کر دی ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس بارے میں عمومی طور پر مسلمانوں نے مغدرت خواہانہ یا جذبائی رویے اختیار کرتے ہوئے مغرب کو جہاد کے صحیح تصور اور حقیقی مقصد کو سمجھانے میں کوئی مدد کی اور نہ ثبت طور پر اسلام کے اصول پیش کیے۔

نتیجتاً آج جہاد کو بڑی آسانی کے ساتھ تشدید اور دہشت گردی کا ہم معنی قرار دے دیا گیا ہے۔

لغوی طور پر تشدید کا مطلب کسی کو تکلیف دینے، زخمی کرنے اور تذمیل کرنے کے لیے طاقت کا سوچا سمجھا استعمال کرنا ہے۔ بھی وجہ ہے کہ ریبووث کنشروں بم کے ذریعے کسی کو زخمی کرنا یا قتل کرنا یا اطلاع کو نقصان پہنچانا دہشت گردی اور تشدید کے زمرے میں آتا ہے۔ گوہر قوت کا استعمال تشدید نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن جب بھی قوت کے استعمال کے ساتھ مقصد یہ ہو کہ کسی کو اذیت اور ذلت کا مزاچکھا یا جائے تو پھر یہ استعمال قوت تشدید بن جاتا ہے۔

اس چیز کو ہم سرجن کے نشتر کی مثال سے واضح کر سکتے ہیں جس کا مقصد نشرت کے ذریعے تکلیف دینا نہیں ہوتا، بلکہ فاسد مادہ کا نکالنا یا ناکارہ عضو کا اس غرض سے کاشنا ہوتا ہے کہ باقی سارا جسم اس تکلیف اور غلاظت سے نجات حاصل کر کے صحت مند اور توانا رہے۔ جہاد کا ٹھیک بھی مقصد اور مقام قرآن میں بیان کیا گیا ہے، یعنی معاشرے میں امن و انصاف کے قیام اور لا قانونیت اور احتصال کے خاتے کے لیے جہاد کو ایک ذریعہ بنانا۔

مغدرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے والے لوگ اکثر جہاد کی دو قسمیں مدافعانہ اور جارحانہ بیان کرتے ہیں اور دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، یعنی دارالحرب اور دارالسلام۔ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ جہاد صرف اور صرف مدافعانہ ہی ہوتا ہے اور کسی کے خلاف جنگ کرنا اسلام کا مدعای نہیں ہے۔ دوسری طرف کچھ لوگ ہر اس چیز کے خلاف جنگ کرنا جہاد قرار دیتے ہیں جو غیر اسلامی ہو۔ دونوں تعبیرات جہاد کے حقیقی اور وسیع مفہوم کا احاطہ نہیں کرتیں۔

اگر ہم قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو اس میں لفظ جہاد تقریباً ۲۰۰ مرتبہ اور لفظ قاتل تقریباً ۱۶۰ مرتبہ مختلف معنوں میں آیا ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق جہاد کسی مقصد کے حصول کے لیے بھرپور کوشش، انتہائی جدوجہد اور یہاں عمل کا نام ہے، جب کہ قاتل سے مراد لڑنا اور جنگ کرنا ہے۔ قرآن کے مطابق جہاد کا مقصد لوگوں کو ظلم و نا انصافی، غلامی اور احتصال سے نجات

دلالاً اور حقوقی انسانی کی بھالی ہے۔ اگرچہ زیادہ زور مسلمانوں کے حقوق پر دیا گیا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں کہ جہاد صرف مسلمانوں کو ان کے حقوق دلانے سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن میں لفظ مستضعفین ان لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے جو ظلم و زیادتی کا شکار ہوں اور قرآن ان کے حقوق کی بھالی کے لیے لڑنے پر امتحارتا ہے۔ یہ مستضعفین مسلمانوں کے علاوہ دیگر مظلوم افراد بھی ہو سکتے ہیں۔ ارشادِ بانی ہے:

بھلکایا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں، عورتوں اور ننھے منے بچوں کے لیے جہاد نہ کرو جو یوں دعا مانگ رہے ہیں کہ اے پورا دگار ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کار ساز مقرر کر دے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بن۔ (النساء ۷۵:۳)

اسی طرح انسانی حقوق کی سر بلندی کے لیے ایک دوسری جگہ قرآن میں تین مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں کی خصائص کو مسلمانوں کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے:

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے ہٹاتا نہ رہتا تو عبادت خانے، گرجے اور معبد اور مسجد میں بھی ڈھانے جا چکے ہوتے جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔ (الحج ۲۰:۲۲)

سورہ نساء اور سورہ حج کی مندرجہ بالا آیات سے جو اصول ثابت ہیں وہ جہاد کے ایک عملِ اصلاح اور حقوق انسانی کے قیام کے لیے ایک حکمت عملی ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔ پہلی بات یہاں پر یہ کہی گئی کہ جن عورتوں، بچوں اور مردوں کو محض اس بنا پر کہ وہ اپنے رب کی بندگی کرنا چاہتے ہوں، ظلم کا نشانہ بنایا جا رہا ہو (جیسے آج مقیوضہ کشیر ہی میں نہیں بعض مسلم اکثریتی ممالک میں اہلِ حق کے ساتھ کیا جا رہا ہے)، تو اہل ایمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان کی رہائی اور نجات کے لیے مادی اور اخلاقی امداد کریں۔

اگلی بات یہ واضح کر دی گئی کہ جہادِ محض مسلمانوں کی مذہبی آزادی کے حصول کے لیے نہیں ہے بلکہ یہود و عیسائی وغیرہ کو بھی اگر اپنے عبادت خانوں میں عبادت کرنے سے محروم کر دیا جائے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کا یہ مذہبی حق ان کو دلوں میں۔ اس طرح جہادِ محض امت مسلمہ

کے حقوق انسانی کے تحفظ تک محدود نہیں رہتا بلکہ عالمی طور پر نہیں حقوق کے احیا و بحالی کے لیے ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔

اصل میں جہاد قرآنی تعلیمات کی روشنی میں انسانی حقوق کی آزادی، انسانی عظمت کی حفاظت اور بھالی کی "تحریک" کا نام ہے۔ یہ صرف کافروں کے خلاف ایک مقدس جنگ (holy war) نہیں ہے۔ مقدس جنگ کا عربی ترجمہ "حرب المقدس" ہوگا۔ قرآن و سنت کسی مقام پر بھی "حرب المقدس" کی اصطلاح استعمال نہیں کرتے۔ تاریخی طور پر "مقدس جنگ" کا تصور عیسائیت کی پیداوار ہے۔ اسی طرح امن و سلامتی اور صلح کے الفاظ اسلامی روایات میں جنگ کی ضد میں استعمال نہیں ہوتے بلکہ اس سے مراد امن برداشت، رواداری یا ہی اعتداد اور افہام و تفہیم کا پلچر ہے۔ قرآن تمام انسانیت کو ایک احمد قرار دے کر امن کی دعوت دیتا ہے: "اور اللہ تم کو سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے" (یونس ۲۵:۱۰)۔ مختلف الفاظ اور حوالوں سے سلامتی اور امن کا تقریباً ۱۳۸ مرتبہ قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔

امن و سلامتی کا وہ تصور جو اسلام کے پیش نظر ہے صرف تخفیف اسلحہ، اجتماعی دفاع کی تدابیر اور عدم چارجیت تک محدود نہیں بلکہ زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ جزئیات سے صرف نظر کرتے ہوئے اسلام کے تصور "امن و صلح" کو سات نکات کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے جو کہ "علمی امن" کی بنیاد پر مبنی ہے۔

۱- توحید

اسلامی تصور حیات میں "امن و انصاف" کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور اس کا اظہار انفرادی و اجتماعی طور ہر دو جگہ پر ہوتا ہے۔ قرآن میں بیان کردہ امن کا تصور بلا واسطہ طور پر تصورِ توحید سے جڑا ہوا ہے۔ توحید، جس پر اسلامی فکر کی بنیاد ہے، کامفہوم دراصل ایک انسان کا اپنے طریقہ عمل، اپنی شخصیت اور سماجی رویوں میں موجود تناقضات اور تضادات کا شعوری خاتمه کرنا ہے۔ اس کے بعد انفرادی سلسلہ پر جو شخصیت سامنے آتی ہے وہی امن و انصاف کی مستند اور موثر

بنیاد بنتی ہے۔ تو حید انسان کو ہر قسم کے دو غلے پن اور شخصیت کے انتشار سے بچاتی ہے، چنانچہ خواہ اپنے خاندان یا کاروباری شریک کار سے معاملات طے کرنے ہوں یا کسی حکومتی عہدے کی ذمہ داری پوری کرنی ہو تو حید ہر مرحلے میں اس کے لیے رہنماء صول فراہم کرتی ہے۔ اندر وہی تضادات کا خاتمہ اور فکر و عمل کی یہ یک جائی (توحید) ایک واقعاتی امن کا راستہ کھلوتی ہے۔ توحید یا ایک بالاتر اصول کی آفاق و نفس میں فرمائز وائی ان لوگوں کے لیے بھی زندگی میں یک رنگی پیدا کرنے کی بنیاد فراہم کرتی ہے جو بظاہر مسلمان ہونے کے دعوے دار نہیں۔ یہی سوچ و فکر کی سیکھائی علمی سطح پر انفرادی اور اجتماعی مسائل کے حل اور امن و انصاف کے لیے اولین بنیاد فراہم کرتی ہے۔

۲- عدل

انسانی معاشرے میں قیام امن کا دوسرا سنہری اصول عدل ہے۔ قرآن عدل کی تقریباً سات جہتوں کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے جو پایدار معاشرتی امن کی بنیادیں ہیں۔ پہلی اور بنیادی چیز قانون کی حکمرانی، مساوات اور انسانی جان کا احترام ہے۔ قانون کی حقیقی حکمرانی سے معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان فرق ختم ہو جاتا ہے۔ قانون بنیادی انسانی حقوق میں مسلم اور غیر مسلم کی تقسیم نہیں کرتا۔ غیر مسلم کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اتنی ہی اہم ہے جتنی کسی مسلم کی۔ انسانی جان کی حفاظت اور نشوونما بنیادی انسانی قدر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں امن و سکون اس وقت ہی قائم ہو سکتا ہے جب انسانی جان کی حفاظت کو سب سے زیادہ اہمیت دی جائے۔ انسانی جان کی حفاظت اور نشوونما ہی امن و سکون اور پایدار معاشرے کی ضمانت ہے۔ قرآن نہ صرف انسانی قتل کی مذمت کرتا ہے بلکہ اس نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل اور ایک انسان کی زندگی کے بچانے کو گویا پوری انسانیت کو بچانا قرار دیا ہے (المائدہ: ۳۲: ۵)۔ اور تعلیمات بُویٰ میں تو درختوں پرندوں اور جانوروں تک پر قلم وزیادتی کی اجازت نہیں دی گئی۔

اگلا پہلو سماجی اور معاشری عدل ہے۔ اس کا مطلب ہے ایک شخص اپنے خاندان اور

معاشرے حتیٰ کرنا واقفوں کے حقوق و فرائض کی بھی صحیح طور پر بجا آوری کی کوشش کرے۔ قرآن و سنت حقوق و فرائض پر بہت زور دیتے ہیں اور اسی چیز کو بالکل بنیادی اور مخلص طبق تک پر امن زندگی کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ حقیقی جائے امن، یعنی جنت میں داخلہ اس بات پر منحصر ہے کہ انسان اپنے مالک اور بھائی بند کے حقوق کی ادائیگی صحیح طریقے پر کرتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد و نوں کی صحیح ادائیگی ہی اسے آخرت میں کامیاب بنا سکتی ہے۔

پایدار معاشرتی عدل کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ ہم نہ صرف اپنے معاملات اور سماجی رویوں میں اس کا اظہار کریں بلکہ اس کا مظاہرہ اپنی تجارت اور معاشی زندگی میں بھی کریں۔ لین دین میں خیانت اور استھمال نہ صرف ایک سماجی برائی ہے بلکہ یہ امن و سکون کو بھی بر باد کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خیانت کی سخت سزا مقرر کی ہے تاکہ معاشرے میں امن و سکون پیدا ہو؛ تجارتی شاہراہیں محفوظ و مامون ہوں اور تجارتی قافلوں کی بھی محفوظ نقل و حرکت ممکن ہو۔

قرآن معاشی زندگی میں اخلاقیات پر زور دیتا ہے کہ یہی معاشرتی امن و سکون کی بنیاد ہے۔ قرآن کہتا ہے:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضا مندی سے۔ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔
یقین مانو اللہ تم حمارے اوپر مہربان ہے۔ (النساء: ۲۹)

اور ایک دوسرے کامال ناقنہ کھایا کرہونہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنالیا کرہو حالانکہ تم جانتے ہو۔ (البقرہ: ۱۸۸)

اسی طرح ناپ قول میں خیانت سے منع فرمایا گیا ہے:

اور جب ناپے لگو تو بھر پور پیانے سے ناپ او رسیدھی ترازو سے تولا کرو یہی بہتر ہے اور انجمام کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۳۵)

اسلام نہ صرف معاشی معاملات میں عدل و انصاف اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے بلکہ معاشی استھمال (چاہے وہ سود ہو یا کسی اور مخلص میں) کی مذمت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا

بزرور انسداد کرتا ہے اور اس کو معاشرے کے لیے باعثِ نزاع اور معاشی جبر قرار دیتا ہے۔

۳۔ سیاسی آزادی اور حریت

سیاسی عمل میں آزادانہ شرکت قرآن کے نزدیک ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ سیاسی انصاف، حمایت و مخالفت کا حق، آزادی اور حکومتی امور میں شرکت امن و سکون کی بنیادیں ہیں۔

۴۔ تنقیدی سوج اور غورو فکر پر مبنی رویہ

معاشرتی عدل کا چوتھا نکتہ قرآنی تعلیمات کے مطابق عالیٰ امن کے قیام کے لیے انفرادی اور سماجی معاملات میں انسان کے اندر تنقیدی سوج، غورو فکر اور شعور کا پیدا کرنا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے امن کا قیام اس وقت تک ناممکن ہے جب تک افراد اور معاشرہ دونوں اپنے معاملات میں راستی کا رویہ نہیں اپنایتے۔

انفرادی اور اجتماعی پالیسی سازی کا قریبی تعلق معاشرے میں مرتبہ تنقیدی رویوں کے ساتھ ہے۔ تنقیدی نقطہ نظر سے مراد کسی شخص کی ذاتی پسند و ناپسند نہیں بلکہ عقل کا صحیح، معروضی اور متوازن استعمال ہے۔ اجتماعی منصوبہ بندی اور پایدار امن کے لیے اس کا وجود ایک بنیادی ضرورت ہے۔

۵۔ صنفی تعلقات

اسلامی تصور حیات میں امن و سکون، صنفی تعلقات اور جنسی اخلاقیات کا آپس میں گمرا تعلق ہے۔ غیر اخلاقی جنسی تعلق کو قرآن نہ صرف نہیں، بلکہ ایک بڑی خیانت، اتحصال اور معاشرے کی ”بیمار“، ”ذہنیت کی عکاسی“ قرار دیتا ہے۔ دنیا میں پائے جانے والے باقی مذاہب کے بر عکس اسلام تجدی اور رہنمائی کی زندگی اختیار کرنے کی نعمتی کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک خاندان کے ادارے کا قیام معاشرے اور ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس کا فریضہ ہے کہ وہ غیر شادی شدہ لوگوں کو رہنہ ازدواج میں مسلک کرائے:

تم میں سے جو مرد اور عورت مجرد ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک بخت غلام اور لوٹھیوں کا بھی۔ اگر وہ مغلس بھی ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے امیر بنا دے گا۔

اللہ کشاوگی والا اور علم والا ہے۔ (النور: ۳۲: ۲۳)

اسلام نہ صرف یوہ کوشادی کی اجازت دیتا ہے، پسندیدن اور بڑے کنبے کی تعریف و توصیف بھی کرتا ہے اور اس پر ابھارتا ہے۔ ان اقدامات کے ذریعے سے اسلام جنسی بے راہ روی سے بچاتا ہے اور معاشرے میں امن و سکون اور اخلاقی فضائی قائم کرتا ہے۔

۶- مذہبی آزادی

اسلامی تصور عدل کا چھٹا اہم پہلو مسلمان معاشروں میں مذہبی آزادی اور اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ مذہبی آزادی کے حق کو قرآن میں امن و انصاف قائم کرنے کے لیے بہت اہم تر ارادیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں آتا ہے:

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں۔ (البقرہ ۲:۲۵۲)

۷- قانونی انصاف

بے لاگ قانونی انصاف کا حصول بھی عدل ہی کا ایک پہلو ہے اور اس کا اطلاق مذہب، رنگ و نسل، صنف اور کسی انسان کے سماجی مقام و مرتبے کے تعصب سے بلند ہے۔ قرآن کہتا ہے:

اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تھیس خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرو جو پر ہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ذرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ (المائدہ ۵:۸)

ایک اور اہم بات معاشرے میں کثیریت (pluralism) کا فروغ، مذہبی اور مسلکی آزادی اور اس کا احترام ہے۔ اس کی وجہ سے مختلف مذاہب اور ممالک کے لوگ اکٹھے ایک معاشرے میں امن و سکون کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔

عدل و انصاف کی ان سات جہتوں کا تعلق مسلمانوں یا کسی خاص وقت اور خاص جگہ کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ یہ آفاقی اخلاقی اصول ہیں جو عالمی مکالے کی اساس اور بنیاد ہیں اور انہی کے ذریعے امن و سکون، عدل و انصاف اور باہمی تعاون کو فروغ ملتا ہے، اور یہ اصول ایسی دنیا کی تغیر کرتے ہیں جس کی بنیاد مذہبی آزادی و رہاداری، انسانی جان کے احترام اور نشوونما

اور فکر و نظر کی آزادی پر ہو۔

مسلمان فلاسفہ مثلاً الفرازی (م: ۱۳۸۸) اور شاطبی (م: ۱۴۱۱) کے خیال میں اوپر بیان شدہ نکات میں سے پانچ نکات الہامی قانون، یعنی قرآن و سنت کی بنیاد بنتے ہیں۔ قرآن کی بہت سی تعلیمات اور احکامات انھی اصولوں کی بنیاد پر ہیں۔ ان اصولوں کی آفاقت اور اسلامی اصولوں (توحید اور عدل) کے ساتھ عقلی تعلق، ان کو ہر ایک کے لیے قابل عمل بناتا ہے جا ہے اس کا تعلق کسی بھی مذہب یا ثقافت سے ہو اور یہی چیز معاشرے میں امن و انصاف کو دوام بخشتی ہے۔

یہ آفاقت اور غیر فرقہ وار ائمہ اصول امن کے علمی مکالے کی بنیاد ہیں اور شفاف سماجی اینجمنٹ کی اساس۔ یہ اصول امن کے قیام اور سیاسی، سماجی اور معاشری انصاف کے نفاذ کے لیے بنیادی شرط کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آج، جب کہ علمی طور پر "سیکولر بنیاد پرستی" اپنے غیر جامد اور ہر لمحے بدلتے ہوئے خیالات اور اخلاقیات کے ساتھ سیاسی، معاشری، سماجی، قانونی اور تعلیمی اداروں کو اپنی پیٹ میں لے رہی ہے، اور آفاقت علمی اقدار کی جگہ لا دین اور سرمایہ دار ائمہ اور فروغ کے لیے سرگرم عمل ہیں، امن و سکون اور عدل و انصاف ہر شخص کی ذاتی پسند و تائپند اور سوچ تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ "آفاقت اخلاقی قدرتوں" کی جگہ مادیت کا دور و دورہ ہے۔ اس خلاکی وجہ سے معاشرے میں تصادم برپا ہے۔ کشیریت، انصاف اور امن (داخلی اور خارجی)، اس سیکولر تہذیب کا ٹھکار ہو گئے ہیں۔

امن و انصاف کا خواب حقیقت کا روپ کیسے دھارے؟ شاید اس کا جواب ایک "اخلاقی فورس" کے قیام میں مضر ہے جس میں وہ تمام مذہبی اور سیکولر عناصر شامل ہوں جو شدؤ سماجی اور معاشری نا انصافی، استھصال اور انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف متعار ہوں۔

دانش و رونوں، مذہبی قائدین اور پروفسنل پر مشتمل یہ "اخلاقی فورس" نہ صرف لوگوں کو حقیقی امن کی آگہی دے سکتی ہے بلکہ قومی اور مین الاقوامی سطح پر راؤ عمل بھی متعین کر سکتی ہے۔

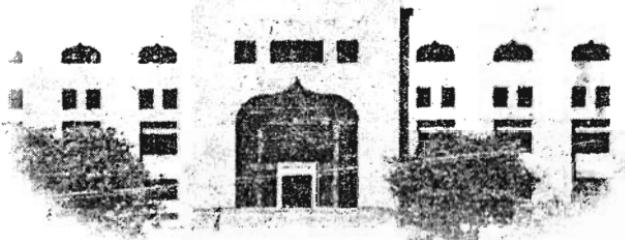
(Policy Perspectives، اسلام آباد اپریل ۲۰۰۳ء)

WISH

اسلامی خطوط پرخواتیں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا جدید ادارہ

Affiliated with federally chartered
RIPHAH INTERNATIONAL UNIVERSITY
Islamabad

3rd Year of Successful Functioning



یورپ اور ملے ایسٹ میں زیر تعلیم ایف اے ایف ایس ہی اور A Levels کی طالبات متوجہ ہوں

Honors Programs:

■ BS	Computer Science	4-Year
■ BBA		3-Year
■ BA / BS	Education	3-Year
■ BA	Islamic Studies (Special Emphasis on Arabic)	3-Year
■ BA	English + Journalism / Sociology	2-Year

For overseas applicants

Last date for application April 30

*Classes Start 1st week
of September 2005*

KEY FEATURES

- Purpose-built campus and Hostel
- Best Faculty
- Quality Education



WISH St.5, H-8/2, Islamabad Ph: 051 4432538-9

Women's Institute of Science and Humanities info@wish.edu.pk
www.wish.edu.pk



SIGMA INTERNATIONAL

اسلام آباد میں جائیدادگی خرید و فروخت کا با اعتماد ادارہ

CDA کا سیکٹر ہو یا ہاؤس ٹک سوسائٹی

جایدہ اور کرشل ہو یا بینگلے

پلاٹ رہائشی ہوں یا کرشل

زرعی اراضی ہو یا فارم

اعتماد آپ کا آزمائش ہماری

سرمایہ کاری جیسے اپنول سے ہی

سرمایہ کا تحفظ اور منافع بھی یقینی!

تحفظ بھی، سہولت بھی

پردوشن سٹراؤز: غلام مرتضی گوندل (ایل ایل بی آر زیر یار یڈل)

آفس: ۲- فرسٹ فلور کریسنٹ پلازا ایف ٹین (F-10) مرکز، اسلام آباد

فون: 051-2212481, 2212872, 2105716

موباک: 0300-5307476, 0300-5238107